جدید معاملاتِ بینکاری احکامِ شرعیہ کی روشنی میں

ڈاکٹر نسیم محمود☆

Abstract:

"This article is about the "Sharia Rulings on the Current Banking Proceedings" which elaborates the concept, brief history and some burning aspects of the modern banking system. Some important issues which have been discussed in this article are kinds of bank accounts, leasing system in modern banking, production of goods through banks and receiving its payments in installments, currency exchange, interest receiving on trade and ordinary loans, sale and purchase of shares, zakat deduction through banks, musharaka, mudaraba and Qarz e Hasana schemes launched by the banks, fine or compulsory donation concept in case of delay of loan returns and lastly dealings with banks such as money dealings and bank jobs. All these points have been discussed keeping in view the Sharia Rulings about the same. Whole of the banking system depends upon the deposits of the public so all kinds of the deposits such as current account, saving account, fixed deposit and charge deposits have been discussed in detail. Again different kinds of service charges, leases, hire purchase, loans and other dealings with banks have been discussed in detail and its different aspects have been overviewed."

بینک کی تعریف

لفظ بینک کا اطلاق ایسی جگہ کے لیے ہوتا ہے جہاں مال کے لین دین کا عمل ہوتا ہے۔عربی

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ، گورنمنٹ علامہ اقبال پوسٹ گریجوایٹ کالج، سیالکوٹ

میں اس کے لیے لفظ مصرف اور بنکار کے لیے صرّاف کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔اور عربی زبان میں ان دونوں کی تعریف یوں کی جاتی ہے:

''الصراف من يُبدل نقداً بنقد، أوهو الأمين علىٰ الخزانة يقبض ويصرف مايُستحق۔والصرافة: مهنة الصراف۔والمصرف مكان الصرف، وبه سمى البنك مصرفاً''(۱)

ترجمہ:(صراف سے مراد وہ شخص ہے جو کہ نقدی کا نقدی سے تبادلہ کرتا ہے یا اس سے مراد وہ شخص ہے جو کہ خزانہ کا امین ہو، مال وصول کرتا ہو اور استحقاق کے مطابق خرچ کرتا ہو اور صرافۃ سے مراد بنکاری کا پیشہ ہے۔اور مصرف بنکاری کے مقام کو کہا جاتا ہے اور بنک کو مصرف کا نام بھی اسی وجہ سے دیا جاتا ہے)

مصرف تو خالصتاً عربی کا لفظ ہے مگر بنک ایک اجنبی لفظ ہے اور بقول استاد ہمشری یہ اطالوی لفظ بانکو (Banko) سے مأخوذ ہے اور اس کا معنی المائدۃ (دسترخوان) ہے اور ان کے نزدیک اس کو یہ نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ:

''ويرجع ذالك الىٰ أن المشتغلين بأعمال الصرافة بإيطاليا، كانوا يضعون الأنواع المختلفة من العملات، التى يتعاملون فيها على موائد، ذات واجهة زجاجية''(۲)

ترجمہ:(اس کا سبب یہ ہے کہ اٹلی کے وہ لوگ جو کہ بنکاری کا کام کرتے ہیں وہ اس طرح کے معاملات شیشے کے خوبصورت دسترخوانوں پر بیٹھ کر کیا کرتے تھے)

اور آکسفورڈ ڈکشنری میں لفظ بینک کو یوں واضح کیا گیا ہے:

"The word "bank" is extended to that of counter, money-changer's table upon which medieval European Money-lenders and money-changers used to display their coins."(3)

ترجمہ:(لفظ بینک کا اطلاق اس کاؤنٹر یا کرنسی کا تبادلہ کرنے والوں کی اس میز پر ہوتا ہے جس پر بیٹھ کر وسط یورپ کے مالی قرض دینے والے اور کرنسی کا تبادلہ کرنے والے اپنے سکوں کو بکھیرنے کے لیے استعمال کرتے تھے)

عرب ممالک میں کہیں تو لفظ بنک مشہور ہو گیا اور کہیں اب بھی بنک کی بجائے مصرف کا لفظ استعمال ہوتا ہے مگر فی الحقیقت معنوی اعتبار سے دونوں ایک ہی ہیں مگر اکثر عرب ممالک اس کی لغوی اصل کو پیش نظر رکھتے ہوئے بنک کی بجائے مصرف کی اصطلاح کے استعمال کو ترجیح دیتے ہیں۔لیکن اردو لغت میں لفظ بینک ہی استعمال کیا جاتا ہے اور اس زبان میں علماء اس کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''بینک ایک ایسے تجارتی ادارے کا نام ہے جو لوگوں کی رقمیں اپنے پاس جمع کر کے تاجروں، صنعت کاروں اور دیگر ضرورت مند افراد کو قرض فراہم کرتا ہے۔''(۴)

روایتی نظامِ بنکاری میں بنک مختلف طبقات کو قرض فراہم کر کے زیادہ شرح سے سود کی رقم وصول کرتے ہیں اور اپنے کھاتہ داروں کو کم شرح پر سود فراہم کرتے ہیں۔ سود کا درمیانی فرق ان بینکوں کا منافع ہوتا ہے۔

ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی بینک کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''البنك كلمة غير عربية،وتعنى بيت مال يستقبل ايداع الناس أموالهم فيه للحفظ أوللإستشمار،ويعطى طالب المال مالاً لأستهلاكه أواستشماره بفائدة معلومة أونسبة معلومة من الربح''(۵)

ترجمہ: (بینک ایک غیر عربی لفظ ہے جس کا مطلب ایسا بیت المال ہے جو لوگوں کا مال بطورِ حفاظت یا سرمایہ کاری کی غرض سے وصول کرتا ہے اور ضرورت مندوں کو مال استعمال کے لیے یا سرمایہ کاری کے لیے مقررشدہ منافع یا فائدہ کے عوض فراہم کرتا ہے)

مغربی معیشت میں بینک کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"Any domestic moneyed corporation, other than a trust company, authorised to discount and negotiate promissory notes, drafts,bills of exchange and other evidences of debt; to receive deposits of money and commercial paper; to lend money on real or personal security, and to buy and sell gold silver bullion,foreign coins or bills of exchange."(6)

ترجمہ: (خیراتی ادارہ کے علاوہ کوئی بھی ایسی ملکی مالیاتی کمپنی جس کو پرامزری نوٹ، ڈرافٹ، بل آف ایکسچینج اور قرض سے متعلق دیگر شواہد کو استعمال کرنے کے اختیار کے ساتھ رقوم، تجارتی اوراق وصول کرنے، کسی قانونی یا شخصی ضمانت پر قرض دینے اور سونے چاندی کی ڈھلیاں اور دوسرے ممالک کے سکے یا بل آف ایکسچینج کی خرید وفروخت کا اختیار حاصل ہو بینک کہلاتی ہے)

پاکستان کے قانون میں بینک کو بینکنگ کمپنی کا نام دیا گیا ہے اور یہاں کے مروجہ قانون میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"Banking company means any company which transacts the business of banking in Pakistan; Any company which is engaged in the manufacture of good or carries on any public merely for the purpose of financing trade and which accepts deposits of money from the public merely for the purpose of financing its buisiness as such manufacturer or trader shall not be deemed to transact the business of banking within the meaning of this clause."(7)

ترجمہ: (بینکنگ کمپنی سے مراد کوئی بھی ایسی کمپنی ہے جو پاکستان میں بینکاری کے معاملات کرتی ہو۔ کوئی بھی ایسی کمپنی جو کوئی چیز بناتی ہو، کوئی بھی تجارت کر رہی ہو یا اپنے کاروبار کو وسعت دینے کے لیے لوگوں کی رقوم وصول کرتی ہو تو اس کمپنی کا چیزیں بنانے یا اس طرح کا تجارتی عمل اس شق کی رو سے بینکنگ کے معنی میں نہیں آئے گا)

ان تمام تعریفات کا نچوڑ یہ نکلتا ہے کہ بینک سے مراد ایسا مالیاتی ادارہ ہے جو لوگوں سے رقمیں اور دیگر مالی دستاویزات وصول کر کے ان کو آگے کسی کو قرض یا کاروبار کے لیے فراہم کرتا اور ان سے منافع حاصل کر کے خود بھی وصول کرتا اور رقوم کے مالکوں کو بھی دیتا ہے۔

بینکوں کی تاریخ

تاریخی اعتبار سے بینک کے آغاز کی حتمی نشان دہی ممکن نہیں کیونکہ بینک کا نظام ایک ہی دفعہ منظّم انداز میں تشکیل نہیں پایا گیا بلکہ اس کا ارتقاء تدریجاً ہوا۔ بنکوں کی تشکیل میں مندرجہ ذیل تین اہم ارکان کا خصوصی کردار ہے:

۱۔ امانتوں کی وصولی
۲۔ قرضوں کی ادائیگی
۳۔ رقوم کی منتقلی

شروع شروع میں لوگ اپنا سونا صرافوں کے پاس بطور امانت رکھ دیتے تھے اور سنار اس کی رسید لکھ دیتے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ ان رسیدوں سے ہی معاملات شروع ہو گئے۔ لوگ سونا واپس لینے کے لیے کم آتے تھے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر صرافوں نے سونا قرض دینا شروع کر دیا۔ پھر جب یہ دیکھا کہ لوگ عموماً رسیدوں سے معاملات کرتے ہیں تو صرافوں نے بھی قرض خواہوں کو سونے کی بجائے رسیدیں دینی شروع کر دیں۔ اس طرح بنک کی صورت پیدا ہوئی بعد میں اسی کو ایک منظّم ادارے کی شکل دے دی گئی۔ (۸)

استاد قلعہ جی کے مطابق بینکوں کی تاریخ کا ادراک تو ممکن نہیں لیکن اتنا معلوم ہے کہ تقریباً دو ہزار سال قبل از مسیح بابل کے باشندے اپنا مال اپنے عبادت خانوں میں رکھتے تھے اور کاہن اس کی حفاظت اور آگے قرض دینے کے ذمہ دار تھے۔ (۹)

لیکن بنکاری کے اس نظام کا پہلو بہ پہلو ارتقاء ہوتا رہا اور اس میں اہم کردار قدیم بابلیوں کا رہا۔ چنانچہ تاریخی شواہد یہ بتاتے ہیں کہ بنکاری کا باقاعدہ نظام قبل از مسیح جاری تھا کیونکہ عرب کے ریگزاروں سے دو ہزار سال قبل مسیح کے زمانے سے تعلق رکھنے والے مٹی کے جو کتبے دریافت ہوئے ہیں وہ بنکاری کے رواج کی شہادت دیتے ہیں۔ اسی طرح آج سے چار ہزار سال کے پرانے سکے پاکستان اور ہندوستان سے بھی برآمد ہو چکے ہیں۔ (۱۰)

لیکن عہد یونان و روم میں عبادت خانوں میں ان رقوم کا رکھنا بینکنگ کی غرض سے نہ تھا بلکہ

ان حکومتوں کو مال کی ضرورت کے پیش نظر تھا۔ (۱۱)

یہی طریقہ اوائل اسلام میں بھی جاری رہا۔ چنانچہ حضرت زبیرؓ بن العوام کے بارے میں ہے کہ لوگ اپنی امانتیں ان کے پاس جمع کروادیا کرتے تھے اور یہ بطور امین ان کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ مگر مال ان کے پاس جب زیادہ جمع ہونے لگا اور ان کو خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ چوری نہ ہو جائے تو آپ نے امانتیں جمع کروانے والوں کو کہا کہ تم یہ مال امانت کی بجائے مجھے قرض دے دیا کرو۔ امام بخاری ان کے قول کو یوں نقل فرماتے ہیں:

''لا ولکن ھو سلف''(۱۲)

ترجمہ: (نہیں بلکہ یہ قرض ہے)

اس کا مقصد ایک تو مال کو کاروبار میں لگا کر چوری سے بچانا تھا اور دوسرا مال ویسے پڑا رہنے کی بجائے اس کو کاروبار میں لگا کر دوسروں کے لیے فائدہ اور اس مال میں اضافے کا سامان کرنا بھی تھا۔ اس نظریہ سے اگر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ دور جدید میں بنک کسی بھی ملک کے معاشی ڈھانچے کا ایک اہم عنصر سمجھا جاتا ہے اور مالی معاملات کے حوالے سے ملکی معیشت کی ترقی اور اس کے تنزل میں اس کا کردار اہم ہے اسلام کچھ حدود و قیود کے ساتھ اس مالی اور کاروباری وسعت سے منع نہیں کرتا بلکہ سرمائے کی گردش کے ذریعے چند افراد کے مال کو عوام الناس کی اکثریت کے لیے استعمال کرنے کا درس دیتا ہے اور یہی فلسفہ زکوۃ اور صدقہ وخیرات میں کارفرما ہے۔ بینکنگ کا معاملہ اگر تو لوگوں کے مال کی حفاظت یا شراکت ومضاربت اور کاروبار کے دیگر اسلامی ذرائع میں صرف کی غرض سے ہو تو یقیناً یہ ایک مستحسن امر ہے۔ اس حوالے سے اسلامی بینکاری پر اس وقت سوڈان، پاکستان، ایران، ملائیشیا اور مصر میں خاص طور پر بڑا نمایاں کام ہوا ہے۔ مصر اور ملائیشیا کے لوگ فقہ شافعی کے پیروکار ہیں۔ پاکستان میں اکثریت فقہ حنفی کی پیروکار ہے اور ایران میں گزشتہ چار سو سال سے فقہ جعفری کی پیروی کی جارہی ہے۔ لیکن یہ بات بڑی حیرت انگیز مگر خوش آئند ہے کہ ان تمام ممالک میں اسلامی بینکاری کے تصورات ایک جیسے ہیں، ان سب ممالک میں رہ کے جو اسلامی متبادلات تجویز کئے گئے ہیں وہ تقریباً یکساں ہیں اور جہاں جہاں بھی کسی فقہ اور مسلک میں کوئی نرمی یا تخفیف ملتی ہے اس کو بلا استثناء ان تمام ممالک میں اختیار کیا گیا ہے۔ (۱۳)

معاملاتِ بینکاری اور ان کے شرعی احکام

اس عنوان کے تحت موجودہ دور میں بینکنگ کے کچھ ایسے معاملات کا جائزہ لیا جائے گا جو اس نظام میں اہمیت کے حامل ہیں اور غور کیا جائے گا کہ ان معاملات کے حوالے سے اسلام کیا احکام فراہم کرتا ہے۔

اس سلسلے میں درج ذیل امور زیرِ بحث لائے جاتے ہیں:

ا۔اکاؤنٹ سسٹم

بینک بنیادی طور پر''جوائنٹ سٹاک کمپنی ہے''اس کا اہم کام لوگوں کی امانتیں جمع کرنا ہے اوراس عمل کو فقہ اسلامی میں قرض کا نام دیا جاتا ہے۔عربی میں اس کے لیے ودائع اور انگریزی میں (Deposits) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے جس کو عرفِ عام میں اکاؤنٹ کا نام دیا جاتا ہے۔ذیل میں اکاؤنٹ کی مختلف اقسام اوران سے متعلق شرعی حکم کا ذکر کیا جاتا ہے:

i۔سیونگ اکاؤنٹ

جس کو عربی میں حساب التوفیر اور اردو میں بچت کھاتہ کہتے ہیں۔اس میں رقم نکلوانے پر عموماً مختلف پابندیاں ہوتی ہیں۔اس پر بنک سود دیتا ہے لیکن سیونگ اکاؤنٹ کے حوالے سے ایک اہم اقدام بینکوں کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کے سلسلہ میں یہ کیا گیا ہے کہ ادارہ کھاتہ دار کو نفع اور نقصان دونوں میں شریک کرتا ہے۔اس اکاؤنٹ کو Profit and Loss Sharing (PLS) اکاؤنٹ کا نام دیا گیا۔ اس میں منافع کی رقم متعین نہیں ہوتی اور شرعی اعتبار سے دیکھا جائے تو چونکہ اس میں نفع ونقصان کی شراکت کا تصور پایا جاتا ہے لہٰذا مشارکت کے اسلامی تصور کے مطابق یہ بالکل جائز ہونا چاہیے۔مگر عملاً اس میں نقصان کو ظاہر نہیں کیا جاتا اوراس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایسا کرنے سے کھاتہ داروں کا اعتماد مجروح ہوگا اور وہ اپنی رقوم بینکوں میں جمع نہیں کروائیں گے۔چنانچہ نقصان کی صورت میں کم منافع ظاہر کردیا جاتا ہے۔بہرصورت یہ بات مسلمّہ ہے کہ اس میں منافع کی شرح متعین نہیں ہوتی اوراس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ کھاتہ دار متعین شرح سے منافع کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔لہٰذا یہ اکاؤنٹ سود کی تعریف میں نہیں آتا۔اس اکاؤنٹ میں ایک اور پہلو کے اعتبار سے خرابی کا امکان ہے اور وہ یہ کہ اس اکاؤنٹ کی رقم کو اور لوگوں کو سود پر دیئے جانے کا قوی امکان ہے۔سو کھاتہ دار خود تو سود کی رقم حاصل نہیں کر رہا مگر اس کی رقم سے کسی اور ضرورت مند کا استحصال کرکے بینک اس سے سود حاصل کرتا ہے۔کیونکہ کھاتہ دار براہِ راست سود لینے میں ملوث نہیں ہے لہٰذا اس پر اس اکاؤنٹ کو اختیار کرنے پہ حرمت کا اطلاق تو نہیں کیا جائے گا مگر تقویٰ کے اعتبار سے اس کے لیے اس سے احتراز بہتر ہوگا کیونکہ متشابہات کو چھوڑنا تقویٰ کا اہم تقاضا ہے،جیسے حدیثِ پاک میں ہے:

''دع مایریبك الیٰ مالایریبك''(۱۴)

ترجمہ:(جو چیز تجھے شک میں ڈالے اسے اس چیز کے لیے چھوڑ دے جو تجھے شک میں نہ ڈالے)

ایک اور پہلو کے اعتبار سے سدالذرائع پر عمل کرتے ہوئے اس سے احتراز کرنا چاہیے کیونکہ یہ رقم اگرچہ اس کو تو سود فراہم نہیں کر رہی مگر کسی اور ضرورت مند سے سود لینے کا سبب بن رہی ہے جو کہ ضرورت مند کا استحصال اور سودی بینک کی تقویت کا باعث ہے۔

ii۔کرنٹ اکاؤنٹ

جس کوعربی میں الحساب الجاری اوراردو میں مدِّ رواں کہتے ہیں۔اس اکاؤنٹ میں رکھی ہوئی رقم پرسودنہیں ملتا،اس میں رکھی ہوئی رقم کسی بھی وقت بغیر کسی پابندی کے جتنی مقدار میں چاہیں نکلوائی جا سکتی ہے اور کھاتہ دار کو کوئی منافع نہیں دیا جاتا۔اس اکاؤنٹ کا بنیادی مقصد مال کی حفاظت ہوتی ہے۔اس حوالے سے اس کے جواز پر کوئی کلام نہیں ہے۔ہاں اگر اس سے نظامِ بینکاری کی تقویت کی بات کی جائے تو پھر سدالذرائع کے اصول کے مطابق اس سے احتراز بہتر ہوگا کیونکہ PLS اکاؤنٹ کی طرح اگرچہ کھاتہ داراس سے سود وصول نہیں کرتا مگر یہ سودی کاروبار کی تقویت کا باعث تو بن رہا ہے۔

iii۔فکسڈ ڈیپازٹ

جس کوعربی میں ودائع ثابتہ کہتے ہیں،اس میں مقررہ مدت سے پہلے رقم نکلوانے کی اجازت نہیں ہوتی اور مقررہ مدت کا تعین رقم کے کم یا زیادہ ہونے کے مطابق ہوتا ہے۔اس کے اسلامی تعلیمات کے مطابق ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ ربوٰا کی تعریف پر منحصر ہے۔چنانچہ لفظ ربوٰا کا لغوی معنیٰ ''الزیادۃ'' یعنی ''اضافہ یا بڑھوتری'' ہے۔(۱۵)

اصطلاحِ شرع میں مختلف فقہاء نے اس کی تعریف مختلف انداز میں کی ہے چنانچہ امام جصاص اس کا شرعی معنیٰ بیان کرتے ہوئے دستورِ عرب کو بیان کرتے لکھتے ہیں:

''**الربا الذی کانت العرب تعرفه وتفعله انما کان یقرض الدراهم والدنانیر الی أجل بزیادة علی مقدار ما استقرض علی مایتراضون به**''(۱۶)

ترجمہ:(وہ ربا جو اہلِ عرب کے ہاں معروف اور مستعمل تھا،اس کی صورت یہ تھی کہ وہ درہم (چاندی کے سکے) یا دینار (سونے کے سکے) کی شکل میں مخصوص مدّت کے لیے اپنے اصل سرمایہ پر متعین اضافے کی شرط کے ساتھ قرض دیا کرتے تھے)

پھراس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''**هوالقرض المشروط فیه الأجل وزیادة مال علی المستقرض**''(۱۷)

ترجمہ: (قرض کا وہ معاملہ جس میں ایک مخصوص مدتِ ادائیگی اور قرض دار پر مال کی زیادتی معیّن کرلی جائے)

اس کی مزید وضاحت امام رازی کے ان الفاظ سے ہوتی ہے:

''**شهر قدراً معیناً،ویکون رأس المال باقیاً، ثم اذاحل الدّین طالبوا المدیون برأس المال، فإن تعذر علیه الأداء زادوافی الحق والأجل، فهٰذا هو الربالذی کانوا فی الجاهلیة یتعاملون به**''(۱۸)

ترجمہ:(جہاں تک ربا النسیئۃ کا تعلق ہے،تو یہ دورِ جاہلیت کا ایک مشہور ومعروف ربا تھا،اور وہ

یہ کہ لوگ اس شرط کے ساتھ مال دیا کرتے تھے کہ وہ ایک متعین رقم ماہانہ وصول کریں گے، اور اصل سرمایہ ویسا ہی واجب الادا رہے گا، پھر مدت کے اختتام پر وہ مقروض سے اصل سرمایہ کی واپسی کا مطالبہ کرتے تھے، اب اگر وہ ادا نہ کر سکا تو وہ مدت اور واجب الاداء رقم بڑھا دیتے تھے، یہ تھا وہ ربا جو جاہلیت کے زمانے میں رائج رہا ہے)

ان تعریفات سے معلوم ہوا کہ قرض پر متعین منافع (Fixed Profit) سود ہے۔ اس کے مطابق اگر فکسڈ اکاؤنٹ کا جائزہ لیا جائے تو اس کے جواز یا عدم جواز کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ فکسڈ اکاؤنٹ کے نام سے ظاہر ہے کہ اس میں متعین رقم پر متعین نفع دیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ ربا النسیئۃ کی تعریف کے مطابق بالاِ تفاق سود شمار ہوگا اور ایسے تمام اکاؤنٹس ناجائز ہونگے۔

۲۔ بینک اور عملِ اجارہ

موجودہ نظامِ بینکاری میں بینک گاڑیوں یا دیگر اشیاء کو خرید کر ضرورت مندوں کو فراہم کرتا ہے اور جب تک ان اشیاء کی قیمت مکمل نہیں ہو جاتی ان سے طے شدہ شرح کے مطابق کرایہ وصول کرتا رہتا ہے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ بینکوں میں رائج اجارہ کا موجودہ نظام اسلام کے ساتھ موافقت رکھتا ہے یا اس سے متصادم ہے؟ اسی طرح بینک کا اپنی خدمات کے بدلے میں کوئی معاوضہ وصول کرنا (جنہیں سروسز چارجز کا نام دیا جاتا ہے) اجارہ میں شامل ہے یا نہیں۔ موجودہ نظامِ اجارہ کا شرعی جائزہ لینے سے قبل اجارہ کے مفہوم کو سمجھنا اشد ضروری ہے۔ چنانچہ لغت میں اجارہ کا اطلاق ''عمل کے بدلے میں کسی کو کچھ معاوضہ ادا کرنے'' پر ہوتا ہے۔[۱۹]

جبکہ اصطلاحِ فقہ میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ:

''**الإجارة هي بيع منفعة معلومة بأجر معلوم**''[۲۰]

ترجمہ: (متعین اجرت کے بدلہ میں متعین منفعت کی بیع کو اجارہ کہا جاتا ہے)

اجارہ کی اسی تعریف کو مذاہب فقہیہ میں الفاظ کی معمولی تبدیلی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔[۲۱]

شریعت اسلامیہ میں اجارہ کا عمل جائز طور پر ثابت ہے۔ چنانچہ قرآن،[۲۲] سنت[۲۳] اور اجماعِ امت[۲۴] کی واضح تصریحات اس حوالے سے موجود ہیں۔

نظام بینکاری میں اجارہ کی عملی صورتیں

بینکاری کے نظام میں اجارہ کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

i۔ سروسز چارجز و خدمات کا معاوضہ　　ii۔ گاڑیوں کی لیزنگ

iii۔ فنانس لیزنگ　　iv۔ ہائر پرچیز

ذیل میں ان کی مشروعیت کا جائزہ لیا جاتا ہے:

i۔سروسز چارجز وخدمات کا معاوضہ

بینک کے لیے اپنے کھاتہ داروں اور قرضداروں سے رقوم، زیورات اور دستاویزات پر بطورِ چارجز خاص رقم وصول کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ رقم واقعی ان اخراجات سے متجاوز نہ ہو جو ان خدمات کے سلسلے میں پیش آتے ہیں۔اگر پوری احتیاط کے ساتھ ان اخراجات کی تحدید ممکن ہو تو یہ صورت احکامِ شریعت کے زیادہ موافق اور مناسب ہوگی اور اس کے جواز میں کوئی کلام نہ ہوگا۔بشرطیکہ اس میں دو باتوں کا لحاظ رکھا جائے۔ایک یہ کہ یہ اجرت اس جیسے کاموں پر آنے والی اجرتِ مثل کے برابر ہو۔دوسرا یہ کہ اس اجرت کی وصولی کو قرض پر حصول نفع کے لیے حیلہ اور بہانہ نہ بنایا جائے۔کھاتہ دار بینک میں رقم جمع کروانے کے عوض سروسز چارجز کے نام سے کٹوتی کا نقصان اس لیے برداشت کرے گا کہ وہ بینک اس رقم کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ہاں اگر اس رقم کو مضاربہ یا مشارکہ کے طور پر استعمال کرتا ہے تو پھر نفع ونقصان کی شرح سے اس کھاتہ دار کو بھی شریک کیا جائے گا۔اسی حوالے سے امام حصکفی فرماتے ہیں:

''یستحق القاضی الأجر علی کتابة الوثائق و المحاضر والسجلات فبانه یستحق أجر المثل علیٰ کتابة الفتویٰ''(۲۵)

ترجمہ:(قاضی کے لیے دستاویزات لکھنے اور رجسٹر میں اندراجات کرنے پر اس قدر اجرت وصول کرنا جائز ہے جس قدر دوسرے شخص کو ایسے عمل پر اجرت لینا جائز ہے جیسے مفتی کا معاملہ ہے کیونکہ اس کے لیے فتویٰ کی کتابت پر اجرتِ مثل وصول کرنا جائز ہے)

ii۔گاڑیوں کی لیزنگ

جدید نظامِ بینکاری میں گاڑیوں کی لیزنگ کا طریقہ یہ ہے کہ اگر کسی کو گاڑی کی ضرورت ہو تو وہ بینک سے رابطہ کرتا ہے اور بینک کمپنی کے ساتھ رابطہ قائم کر کے گاڑی خریدتا ہے۔بینک گاڑی خرید کر اس کی مارکیٹ کی قیمت سے زیادہ قیمت لگا کر خریدار شخص کے حوالے کر دیتا ہے۔اب فرض کریں کہ کمپنی میں گاڑی کی قیمت دس لاکھ روپے ہے مگر بینک یہ گاڑی کمپنی سے خرید کر اپنے گاہک کو بارہ لاکھ روپے میں فروخت کر دیتا ہے۔اب اس بارہ لاکھ کا دس فیصد بطور زرضمانت (Security Deposit) پہلے وصول کر لیتا ہے اور بقیہ رقم کو چالیس ماہانہ اقساط میں تقسیم کر کے وصول کرتا ہے۔اور جب چالیس اقساط کی صورت میں رقم مکمل طور پر ادا ہو جاتی ہے تو زرضمانت کے بدلہ میں گاڑی اس گاہک کو بیچ دیتا ہے۔اب چالیس ماہانہ اقساط جو بینک گاہک سے وصول کرے گا وہ بطور کرایہ وصول کیا جائیگا اور گاڑی بینک کی ملکیت میں ہی رہے گی مگر بعد میں مکمل ادائیگی پر بینک کی ملکیت سے نکل کر گاہک کی ملکیت میں منتقل ہو جائے گی،مگر قیمت موجودہ صورتِ حال کے مطابق طے نہیں کی جاتی بلکہ آغاز میں نئی گاڑی کے مطابق طے کی جاتی ہے۔

اس تمام طریقہ کار کا اگر تنقیدی جائزہ لیا جائے تو اس میں مندرجہ ذیل قباحتیں نظر آتی ہیں:

۱۔ بینک گاڑی پر قبضہ کئے بغیر ہی اس کو لیز پر دے دیتا ہے جو کہ اسلام کے اصولوں کے منافی ہے کیونکہ اجارہ میں مؤجر کے لیے لازم ہے کہ وہ اجارہ پر دی جانے والی شے کا مالک ہو اور موجودہ بینکاری نظام میں گاڑی کی ملکیت بینک کی طرف منتقل کئے بغیر ہی اس کو لیز پر دے دیا جاتا ہے۔

۲۔ اصولاً مالک چیز کے نقصان کا ذمہ دار ہوتا اور مستأجر کا قبضہ بطورِ امانت ہوتا ہے اور نقصان کی صورت میں وہ ذمہ دار نہیں ہوتا جبکہ موجودہ نظام میں کسی بھی نقصان کی صورت میں بینک یا کمپنی ذمہ دار نہیں ہوتی بلکہ اس کی تمام تر ذمہ داری مستأجر پر عائد ہوتی ہے۔

۳۔ گاڑی لیز پر لینے والا جب اس کی تمام رقم ادا کر دیتا ہے تو مکمل رقم کی ادائیگی کے بعد گاڑی کرایہ دار ملکیت میں دیتے ہوئے کوئی نیا معاہدہ نہیں کیا جاتا ہے بلکہ اس سابقہ معاہدہ کے تحت گاڑی اس گاہک کو دے دی جاتی ہے جس میں یہ طے ہوتا ہے کہ اگر گاڑی تم لو گے تو سیکورٹی ڈیپازٹ تمہیں واپس نہیں کئے جائیں گے گویا ایک معاہدہ میں بیع اور اجارہ دونوں معاہدات کر لیے جو کہ حدیث رسول ﷺ کی رو سے ممنوع ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

''نهى رسول الله ﷺ عن بيعتين فى بيعة''(۲۶)

ترجمہ: (رسول اللہ ﷺ نے ایک سودے میں دو سودوں سے منع فرمایا)

تو اس حدیث کی روشنی میں ایسے معاہدہ کا جائز طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ گاڑی بینک کے ضمان (Risk) میں آئے اور اس کا کرایہ مع نفع کے وصول ہو جائے، مدتِ اجارہ کی تکمیل پر عقدِ جدید کر کے بینک وہ گاڑی مستأجر یا مؤجر کو مناسب قیمت پر فروخت کر دے یا ہبہ کر دے۔ لیکن یہ بات پہلے سے عقد میں طے شدہ نہ ہو۔

iii۔ فنانس لیزنگ

فنانس لیزنگ میں اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ کمپنی کو اگر مشینری کی ضرورت ہو تو کمپنی بینک سے قرض لے کر خود مشنری نہیں خریدتی بلکہ وہ بینک کو اس مشینری کی طلب سے آگاہ کرتی ہے اور بینک اس کمپنی کے لیے اس مشینری کا بندوبست کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی طے کرتا ہے کہ اگر بینک کسی کو اتنی رقم جو کہ مشینری کی خرید پر صرف ہوئی ہے قرض دیتا تو اس کو کتنا سود ملتا۔ یہ تمام اس کی قیمت میں جمع کر کے کمپنی سے اقساط کی صورت میں وصول کی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں ملکیت بینک کی ہی رہتی ہے۔ کمپنی کی حیثیت کرایہ دار کی ہوتی ہے اور جب مشینری کی قیمت مع سود بینک کو اقساط کی صورت میں وصول ہو جاتی ہے تو یہ مشینری خود بخود کمپنی کی ملکیت میں چلی جاتی ہے۔ اس معاملہ میں بھی وہی خرابی پائی جاتی ہے جس کا گاڑیوں کی لیزنگ کی صورت میں مشاہدہ کیا گیا۔(۲۷)

iv۔ ہائر پرچیز (Hire Purchase)

ہائر پرچیز کا مطلب ہے کہ کسی چیز کو خریدنے کے لیے کرایہ پر دینا یعنی ایک شخص اپنی ملکیتی چیز سے قاصر ہے تو فریقین قیمت کو متعدد اقساط میں تقسیم کر کے آپس میں یہ معاہدہ کر لیتے ہیں کہ ہر قسط اس چیز کا ماہانہ کرایہ سمجھا جائے گا۔ مگر فی الحقیقت کرایہ کی صورت میں یہ اس کی قیمت کی قسط کی ادائیگی ہوگی اور جب تمام قسطیں مکمل ہو جائیں گی تو جس چیز کو کرایہ پر لیا گیا ہے وہ مستأجر کی ملکیت ہو جائے گی۔

فنانس لیز اور ہائر پرچیز بظاہر ایک ہی چیز معلوم ہوتے ہیں مگر فی الحقیقت دونوں میں فرق ہے اور وہ یہ کہ فنانس لیز ابتداء میں اجارہ ہوتا ہے اور اس میں معاوضہ، کرایہ ہی شمار ہوتا ہے اور تمام کرایہ ادا ہونے پر فریقین کو اس چیز کی فروخت یا عدمِ فروخت کا اختیار ہوتا ہے اور یہ بات کبھی معاہدہ میں طے ہوتی ہے اور کبھی نہیں جبکہ ہائر پرچیز میں شروع سے ہی یہ بات معاہدہ میں شامل ہوتی ہے کہ اجارہ اور بیع کی بیک وقت قسطیں ادا کی جائیں گی اور مکمل قیمت کی ادائیگی پر یہ چیز کرایہ دار کی ملکیت میں آ جائے گی مگر یہاں ایک سودا میں دو سودوں کی صورت بن رہی جس کی حدیث میں ممانعت ہے جیسا کہ حوالہ گزر چکا ہے۔

اس کی مناسب صورت یہ ہو سکتی ہے کہ قسطوں کی مکمل ادائیگی کے بعد یا تو یہ چیز خریدار کو ہبہ کر دی جائے یا اس سے مناسب سی رقم لے کر اس کی فروخت کا دوبارہ معاہدہ کر کے اس کے حوالے کر دی جائے تا کہ ایک معاہدہ میں دو معاہدوں کی صورت سے بھی بچا جا سکے اور خریدار کے لیے بھی آسانی پیدا ہو جائے۔

بیع مرابحہ

بہتر متبادل اور جائز طریقہ یہ ہے کہ لیزنگ کی بجائے مرابحہ مؤجلہ کا شرعی طریقہ اختیار کیا جائے۔ جس کی شرعی صورت یہ ہے کہ بینک یا لیزنگ کمپنی، کوئی ادارہ یا کوئی شخص کسی گاڑی یا مشینری وغیرہ کو خرید کر پہلے اپنی ملکیت میں لائے جس کی وجہ سے وہ اس کا ضامن ہوگا پھر کسی دوسرے شخص کو معینہ نفع کے ساتھ ادھار پر فروخت کر دے اور ادھار کی مدت بھی طے کر لے تو یہ صورت فقہاء کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے اور شرعاً نقد کے مقابلے میں ادھار پر فروخت کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کرنا بالاتفاق جائز ہے۔ (۲۸)

قسطوں میں ادھار زیادہ قیمت پر فروخت کرنا بھی فقہاء کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے۔ (۲۹)

۴۔ عام رقوم اور تجارتی قرض پر سود

ہمارے موجودہ بینکاری نظام میں عام افراد کو یا کاروباری غرض سے مختلف کمپنیوں کو رقوم بطورِ قرض فراہم کی جاتی ہیں اور ان پر بینک جو سود لیتے ہیں وہ شرعاً جائز نہیں ہے۔ ہمارے ہاں بعض لوگوں کا یہ مؤقف ہے کہ ضرورت مند افراد سے سود لینا حرام ہے کیونکہ آپ اس کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کا استحصال کر رہے ہیں مگر تجارتی اور کاروباری حوالے سے بینکوں کا قرض کسی کے استحصال کے لیے نہیں ہوتا بلکہ ان کے کاروبار کی ترویج و ترقی کے لیے ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے قرض پر سود لینے

میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ یہ بات قطعاً درست نہیں کیونکہ عربوں سے تجارتی حوالے سے لوگ سود کا لین دین کرتے تھے مگر جب حرمت کا حکم آیا تو اس میں عام سود کے ساتھ ساتھ تجارتی سود بھی شامل تھا۔ عربوں کے سودی قرض کا یہ معاملہ تجارتی غرض سے ہونے کے واضح ثبوت کتب میں موجود ہیں۔ چنانچہ ابن جریر طبری اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''كانت بنو عمرو بن عوف يأخذون الربامن بنى المغيرة،وكانت بنو المغيرة يربون لهم فى الجاهلية''(۳۰)

ترجمہ: (بنوعمرو کا قبیلہ بنومغیرہ سے سود لیا کرتا تھا، اور بنومغیرہ ان کو دورِ جاہلیت میں سود دیتے تھے)

اور یہ قرضے انفرادی طور پر ایک دوسرے کو نہیں دیئے جاتے تھے بلکہ ایک قبیلہ مجموعی طور پر ایک دوسرے قبیلہ سے قرض لیتا تھا۔

اسی طرح سورۂ روم کی آیت نمبر ۳۹ کی وضاحت میں علامہ طبری وضاحت کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ کی روایت بیان فرماتے ہیں:

''الم ترالیٰ الرجل يقول للرجل: لأمولنك فيعطيه،فهذالايربو عندالله لأنه يعطيه لغيرالله يثرى به ماله''(۳۱)

ترجمہ: (کیا تم نے ایک شخص کو دوسرے سے یہ کہتے ہوئے نہیں دیکھا کہ: میں تم کو ضرور تمویل (Finance) کروں گا، پھر وہ اس کو دے دیتا تھا، تو یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں نہیں بڑھتا، کیونکہ اس نے اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے واسطے نہیں دیا بلکہ مال میں اضافے کے لیے دیا ہے)

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس وقت لوگ تجارت کی غرض سے قرض حاصل کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ابن سعد کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ ایک تجارتی قافلہ شام بھیجنا چاہتے تھے، اور اس مقصد کے تحت انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے چار ہزار درہم قرض لیا۔(۳۲)

موطأ امام مالک میں ایک طویل روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ اور عبیداللہؓ ایک لشکر کے ساتھ عراق گئے، لوٹتے وقت عراق کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے ملنے گئے تو انہوں نے انہیں خوش آمدید کہا اور فرمایا کہ: اگر میرے لیے آپ کو کوئی نفع پہنچانا ممکن ہوا تو ضرور پہنچاؤں گا، پھر فرمایا کہ: میرے پاس بیت المال کی ایک رقم ہے، میں وہ امیر المؤمنین کو بھیجنا چاہتا ہوں، وہ میں آپ کو قرض دیتا ہوں، آپ اس سے مالِ تجارت لے کر جائیں اور مدینہ جا کر فروخت کر دیں اور اصل رقم امیر المؤمنین کو پہنچا کر منافع خود رکھ لیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔(۳۳)

اسلام ضرورت کے تحت تو بینک سے قرض حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے مگر ایک شخص محض اپنے کاروبار کو وسعت دینے کے لیے اگر بینک سے سود پر قرض لیتا ہے تو اس کو اس کی قطعاً اجازت نہیں

ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں بوقتِ ضرورت محرمات کے استعمال کی اجازت کی جہاں بات ہوئی ہے وہاں اس شرط کا تذکرہ بھی ہوا ہے کہ:

''فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ''(۳۴)

ترجمہ: (جو کوئی مجبور ہو اور (احکامِ شریعت سے) بغاوت اور دشمنی پہ نہ اتر آئے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے)

اس آیت میں اس بات کو واضح کیا جا رہا ہے کہ محرمات کے استعمال کی صرف یہی صورت ہے کہ ان کے بغیر گزارہ بالکل ناممکن ہو اور انسان کو اپنی جان کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو، مگر بینک کا سود کاروبار کے آغاز یا اس میں اضافے کی غرض سے لینا ایسی ضرورت میں نہیں آتا جس میں محرمات کے استعمال کی شرعاً اجازت ہو۔ لہٰذا اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ قرآنی آیت:

''اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ''(۳۵)

ترجمہ: (بے شک جو سود کھاتے ہیں وہ اس طرح کھڑے ہوتے ہیں جیسے شیطان نے انہیں چھو کر خبطی بنا دیا ہو)

کا واضح مصداق ہیں۔ لہٰذا محض کاروبار میں اضافے اور اس کو وسعت دینے کی غرض سے بینک سے سودی قرض کا حصول شرعی حکم کی خلاف ورزی ہے جو کہ کاروبار میں اضافے کی بجائے الٹا نقصان اور آخرت کے عذاب کا باعث ہے۔ اس لیے کہ اسی آیت میں اس حقیقت کو یوں واضح کر دیا گیا ہے:

''وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ط وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ط وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ''(۳۶)

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ پس جس کے پاس اللہ کی طرف سے نصیحت آ گئی اور وہ اس سودی معاملہ سے رک گیا تو جو ہو چکا وہ اس کے لیے ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، مگر حکم آ جانے کے بعد جس نے اس معاملہ کو دہرایا تو یہی وہ لوگ ہیں جو کہ دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔)

دوسری طرف دنیا میں خسارہ کی کیفیت اور اس کی وجہ ان الفاظ میں بیان فرمائی:

''وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى''(۳۷)

ترجمہ: (جس نے میرے ذکر سے منہ موڑ لیا اس کی معیشت تنگ کر دی جائے گی اور روزِ محشر ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے)

اس کے تحت اگر محض ذکر میں غفلت معاشی بدحالی اور اس میں خسارے کا باعث بن سکتی ہے تو اللہ کے حکم کی خلاف ورزی تو یقینی طور پر خسارے کا باعث ہوگی۔

کاروبار میں وسعت کے لیے سود کا حصول کوئی ضرورت نہیں بلکہ ''ھل من مزید'' کا واضح مصداق ہے اور سود کے ذریعے مال جمع کرنا یقیناً ایسا معاملہ ہے جو کہ قابلِ مؤاخذہ ہے اور اس کی کسی صورت بھی اجازت نہیں دی جائے گی کیونکہ یہ ایک امرِ شنیع ہے اور اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا گیا:

''اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُo حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ''(۳۸)

ترجمہ: (زیادہ کی طلب نے تمہیں برباد کر دیا یہاں تک کہ تم نے قبروں کو دیکھ لیا)

زیادہ کی طلب اگر حلال طریقے سے بھی ہو تو بھی اس پر تشویش یہ کہ اس مال کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اس کو کیسے کمایا اور خرچ کہاں کیا۔(۳۹)

مذکورہ تمام بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس دور میں لیا جانے والا اکثر قرض انفرادی ضروریات کے لیے نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کا مقصد تجارتی اغراض کا حصول اور مال میں اضافہ کرنا ہوتا ہے اور حرمتِ سود میں نازل ہونے والے احکام کا مقصد صرف غریب کے استحصال کا خاتمہ ہی نہیں بلکہ تجارتی سودوں کی قباحت کا خاتمہ بھی ان احکام کا اہم مقصد ہے۔ لہٰذا ان تمام احکام کو سامنے رکھتے ہوئے یہ واضح ہوتا ہے کہ آج کے دور میں تجارتی مقاصد کے لیے بینکوں سے حاصل کئے جانے والے تمام سودی قرضہ جات ناجائز ہوں گے اور اسی طرح عام رقوم جو بینک میں جمع کروائی جاتی یا بینک کے ساتھ ان کا معاملہ کیا جاتا ہے اگر تو ان کا مقصد سودی معاملہ کا فروغ ہو تو یہ صریحاً ناجائز اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی کا ذریعہ ہے، لہٰذا اس سے گریز ضروری ہے۔

۵۔ کرنسی کا تبادلہ

کرنسی کے تبادلے کو بعض لوگوں نے سود شمار کیا ہے مگر اس موضوع پر بات سے پہلے سود کی مختلف اقسام کی معرفت ضروری ہے۔ عربی میں اس کے لیے لفظِ ربا استعمال کیا جاتا ہے جس کی دو بڑی اقسام ہیں: ایک ربا النسیئۃ اور دوسری رب الفضل۔ رباء الفضل کے مطابق ایک ہی جنس کی اشیاء کا زیادتی کے ساتھ تبادلہ سود میں شمار کیا گیا ہے، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

''الذهب بالذهب مثلاً بمثل، والفضة بالفضة مثلاً بمثل ،والتمر بالتمر مثلاًبمثل،والبربالبر مثلاً بمثل،والملح بالملح مثلاًبمثل، والشعير بالشعير مثلاً بمثل ضمن زادأو از داد فقدأربى،بيعواالذهب بالفضة كيف شئتم يداً بيداً،وبيعواالشعير بالتمر كيف شئتم يداًبيد''(۴۰)

ترجمہ: (سونے کو سونے کے بدلے میں، چاندی کو چاندی کے بدلے میں، کھجور کو کھجور کے بدلے میں، گندم کے بدلے میں، نمک کو نمک کے بدلے میں اور جو کو جو کے بدلے میں برابر برابر بیچو، لیکن جو شخص اضافے کا لین دین کرے وہ ربا کا معاملہ کرے گا۔ البتہ

سونے کو چاندی کے مقابلے میں جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ دست بدست ہو، اور جو کو کھجور کے بدلے میں جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ دست بدست ہو)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایک جنس میں اسی جنس کے ساتھ تبادلہ کی صورت میں کمی بیشی کرنا جائز نہیں۔ ہاں اگر جنسوں کا اختلاف ہو مثلاً سونے کے بدلے چاندی تو پھر فریقین کے درمیان رضامندی کے مطابق تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہوگا۔ اس صورتِ حال کو سامنے رکھتے ہوئے اگر غور کیا جائے تو آج کے بینکنگ سسٹم میں کرنسی کے تبادلے کی ملکی کرنسی کے آپس میں تبادلے اور ملکی کرنسی کے ساتھ غیر ملکی کرنسی کے تبادلے کی دو صورتیں رائج ہیں۔

۱۔ ملکی کرنسی کا آپس میں تبادلہ جس میں پرانے نوٹ لے کر نئے نوٹ دیئے جاتے ہیں۔ شرعاً ایسے تبادلہ میں کسی بھی قسم کا فرق ممنوع ہوگا۔ ہمارے بینکوں میں ایسے تبادلے پر کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا ہے جو کہ جائز ہے تاہم پرائیویٹ منی ایکسچینجرز تبادلہ فرق کے ساتھ کرتے ہیں جو کہ شرعاً جائز نہیں ہے۔

۲۔ ملکی کرنسی کے ساتھ غیر ملکی کرنسی کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے کیونکہ ربا الفضل کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔ اس لیے اس میں بینک بھی منی ایکسچینجرز کی طرح اگر کمی بیشی کرلیں تو یہ معاملہ جائز ہوگا۔(۴۱)

۶۔ زکوٰۃ کی کٹوتی

ہمارے ملکی بینکوں میں کھاتہ داروں کی جمع شدہ رقوم پر ہر سال یکم رمضان کو زکوٰۃ کی کٹوتی کی جاتی ہے۔ ملکی سطح پر زکوٰۃ کی کٹوتی ایک مستحسن قدم ہے۔ عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہؓ میں ملکی اور اجتماعی سطح پر زکوٰۃ کا نظام رائج تھا۔ موجودہ زکوٰۃ کی کٹوتی کا سسٹم بھی اس اجتماعی نظام کی طرف جانے کا پہلا قدم تھا کیونکہ زکوٰۃ صرف کھاتہ داروں پر لازم نہیں ہوتی بلکہ تمام مسلمانوں پر لازم ہوتی ہے۔ خواہ وہ بینکوں میں مال رکھیں یا نہ رکھیں، ان کے پاس نقدی مال ہو یا سامانِ تجارت یا سونا چاندی۔ لہٰذا ہمارے نظامِ بینکاری میں جزوی طور پر زکوٰۃ کا نظام شروع ہوا مگر اس میں بھی کئی ایک خلافِ شریعت امور ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

۱۔ رقم پر ایک سال گزرنے (حولانِ حول) کی شرعی شرط پوری کئے بغیر زکوٰۃ کاٹ لی جاتی ہے۔ اگرچہ کوئی آدمی یکم رمضان سے چند دن پہلے ہی رقم جمع کروائے۔

۲۔ پورا سال پیسے اکاؤنٹ میں ہوں مگر اگر یکم رمضان سے ایک دن پہلے وہ پیسے نکلوا لیے جاتے ہیں تو اُس پر زکوٰۃ کی کٹوتی نہیں ہوتی۔

۳۔ یہ نہیں دیکھا جاتا ہے کہ وہ کھاتہ دار جس نے پیسے جمع کروائے ہیں وہ اس جمع شدہ رقم سے زیادہ کسی کا مقروض ہے یا نہیں کیونکہ ایسے قرضہ کی صورت میں شرعاً اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

۴۔ زکوٰۃ کٹوتی کے بعد زکوٰۃ کا مال مصارفِ زکوٰۃ کے مطابق حقیقی مستحق تک پہنچتا ہے یا نہیں یہ معاملہ بھی یقینی نہیں ہوتا۔لہٰذا ہمارے نظامِ بینکاری میں زکوٰۃ کی کٹوتی کے نظام میں شرعی اصولوں کے مطابق اصلاح کی ضرورت ہے۔(۴۲)

۷۔مشارکہ،مضاربہ اور قرضِ حسنہ کی سکیمیں

موجودہ نظامِ بینکاری میں مشارکہ،مضاربہ اور قرضِ حسنہ کی سکیمیں عملاً مفقود ہیں جو کہ کاروباری معاملات کا یک اہم عنصر ہیں۔PLS اکاؤنٹ کی بنیاد مضاربہ کے نظام پر رکھی گئی ہے جس میں منافع کی صورت میں تو مضارب کا ذمہ ہوتا ہے مگر نقصان کی صورت میں رب المال ہی ذمہ دار قرار پاتا ہے۔ مضارب کے ذمے کچھ بھی لازم نہیں ہوگا۔اس میں صرف یہ پہلو قابلِ توجہ ہے کہ یہ رقوم آگے سودی نظام کی تقویت کا باعث نہ بنیں بلکہ حقیقی طور مضاربہ کے طور پر اس کے ساتھ سرمایہ کاری کی جائے تاکہ یہ اکاؤنٹ پر اعتبار سے بغیر کسی قباحت کے شرعی اصولوں کے مطابق ہو سکے۔

مشارکہ اور مضاربہ کاروبار کی وہ صورتیں ہیں جو کہ اسلامی نظام بینکاری کا اہم خاصہ ہیں اور اسلامی بینکاری کی بنیاد ان اصولوں پر ہونا از بس ضروری ہے۔(۴۳)

بینکاری کا نظام چونکہ کھاتہ داروں کی رقوم سے چلتا ہے اس لیے اگر ان رقوم سے مشارکہ کے انداز میں سرمایہ کاری کی جائے تو یہ بات شریعت کے مطابق ہوگی اور اگر موجودہ طریقہ اختیار کیا جائے جس کے تحت عام ضرورت مند سے سود لے کر اس کا معاشی استحصال کیا جاتا ہے اور تجارتی مقاصد کے لیے سود دیا جاتا ہے اور ناگہانی آفات یا دیگر وجوہ کی بنیاد پر نقصان کے باوجود اس سے بہرصورت سود بھی وصول کیا جاتا ہے تو یہ لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھانا اور ان پر ظلم ہوگا جو کہ دنیا اور آخرت کی بربادی اور وبال کا باعث ہے۔لہٰذا اس ظلم اور زیادتی کی بجائے مشارکہ کے انداز میں ان کو نفع اور نقصان میں بینک کے ساتھ شریک کیا جائے۔

اسی طرح غریب اور نادار لوگوں کے لیے قرضِ حسنہ کی سکیمیں شروع کی جائیں جو کہ سود سے بالکل پاک ہوں۔یہ عمل ظاہری طور پر نفع کا سبب تو نظر نہیں آتا مگر معاشی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس میں گردشِ دولت کی وجہ سے تجارتی سرگرمیوں میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ ملکی معیشت کے استحکام کا سبب بنے گا۔

۸۔قرضِ حسنہ سکیم

اگر کسی ملک میں مالی معاملات کے لیے سودی اور غیر سودی دونوں نظام رائج ہوں اور دونوں صورتوں پر بغیر مشقت اور تکلیف کے عمل ممکن ہے تو ایسی صورت میں سودی معاملہ کی قطعاً اجازت نہ ہوگی اور ایسا کرنے والا عنداللہ گنہگار اور جوابدہ ہوگا۔لہٰذا مالی معاملات کی انجام دہی کے لیے ایسی صورت میں سودی قرض کی بجائے قرضِ حسنہ کا راستہ اختیا کیا جائے اور اس کے ذریعے اپنی ضروریات کو پورا کیا

جائے کیونکہ ایسا معاملہ ضرورت مند کی ضرورت پورا ہونے اور قرض دینے والے کے لیے اجر وثواب اور مزید مالی وسعت کا سبب بنے گا اور یہی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے

''مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً ط وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْسُطُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ''(۴۴)

ترجمہ: (کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (قرض کی رقم کو) اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے گا)

ایک اور مقام پر اس حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

''مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ ط وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآئُ ط وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ''(۴۵)

ترجمہ: (ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانے کی طرح ہے جو سات بالیاں اگاتا ہے، ہر بالی میں سو دانہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اور بڑھا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسیع علم والا ہے)

یہ تمام احکام واضح کرتے ہیں کہ کسی قسم کے سودی معاملہ کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ سود کی بجائے اسلام قرض حسنہ کی سہولت اختیار کرنے کو ترجیح دیتا ہے تبھی تو ایسا قرض دینے والے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجر وثواب اور مال میں اضافے کی ضمانت دی ہے

سودی معاملہ کی اجازت تو انتہائی مجبوری کی حالت میں ہے مگر جہاں حلال آپشن موجود ہو وہاں مجبوری کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ حلال مواقع کا میسر ہونا اس مجبوری کو ختم کر دیتا ہے۔ اسلامی معاشرہ تو نہ صرف ایک دوسرے کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے بلکہ ان کے ازالہ کا سامان بھی فراہم کرتا ہے اور قرضِ حسنہ یقیناً ان ضروریات اور تکالیف کے ازالہ کا سبب ہے اس حوالے سے حضور ﷺ کا فرمان ہے:

''من نفّس عن مسلم کربۃً نفّس اللہ عنہ کربۃً من کربات یوم القیامۃ''(۴۶)

ترجمہ: (جس نے کسی مسلمان کی تکلیفوں میں سے کسی تکلیف کو دور کیا اللہ تعالیٰ قیامت والے دن اس کی تکلیفوں کو دور فرمائے گا)

یہ اسلامی معاشرے کا ایک امتیازی وصف ہے کہ اس میں مسلمان اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دیتے ہیں قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے کہ:

''وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ وَلَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَۃٌ''(۴۸)

ترجمہ: (اور وہ (مسلمان) دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انہیں نقصان ہی کیوں نہ ہو)

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام افراد کی معاشرتی ضروریات کے پورا کرنے کا ایسا نظام فراہم کرتا ہے کہ اس میں کسی کو سودی قرض کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ صدقہ وخیرات اور انفاق فی

سبیل اللہ کا نظام ان تمام ضروریات کے ازالہ کا اہم سبب ہے اور اس کی کوئی صورت نہ بن پائے تو قرضِ حسنہ کے ذریعے اس کا متبادل فراہم کر دیا گیا ہے جو کہ یقیناً خوشحالی کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا ایسا ملک اور معاشرہ جہاں قرضِ حسنہ کی سہولت موجود ہو وہاں سودی قرض لے کر ضروریات کا ازالہ ممنوع اور حرام ہے۔

۹۔ قرض کی واپسی میں تاخیر پر سود، جرمانہ یا لازمی صدقہ کا تصور

موجودہ بینکاری نظام میں قرض کی ادائیگی میں تاخیر پر سودی رقم بڑھا دی جاتی ہے۔ یہ چیز شرعی اعتبار سے درست نہیں ہے۔ آج کل بینکوں میں اس کے متبادل دو طریقے اختیار کئے جا سکتے ہیں:

(i) لازمی صدقہ کا تصور

(ii) جرمانے کا تصور

(i) لازمی صدقہ کا تصور

اسلامی بینکوں میں مقروض اگر کسی وجہ سے وقت مقررہ پر اپنا قرض ادا نہیں کر سکتا تو اس کے متبادل کے طور پر اس کو بینک کے خیراتی فنڈ میں جمع کروانے کے لیے لازمی صدقہ کی شرط لگائی جاتی ہے۔ گویا اس کا یہ عمل ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ اگر مجھ سے فلاں غلطی ہوگئی تو میں اتنی رقم صدقہ کروں گا۔ یہ کچھ مالکی فقہاء کا موقف ہے۔[۴۸]

اسلامی بینک اس بات کا پابند ہوتا ہے کہ اس رقم کو خیراتی فنڈ میں شامل کر کے اسے صدقہ کے شرعی مصارف پر خرچ کرے۔ بینک اسے اپنی آمدنی کا حصہ نہیں بنا سکتا۔ لہٰذا یہ کہنا درست نہیں کہ اسلامی بینک ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں اپنے کلائنٹ سے جرمانہ لیتا ہے کیونکہ اگر یہ جرمانہ ہوتا تو بینک کی آمدنی کا حصہ بنتا۔[۴۹]

(ii) جرمانے کا تصور

اگر جرمانہ کا مقصد مال کمانا نہ ہو بلکہ نظم ونسق قائم کرنا اور اس جرمانہ کی رقم کو رفاہِ عامہ کے کاموں میں خرچ کرنا ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں جیسے ہمارے ہاں تعلیمی اداروں میں غیر حاضریوں پر جرمانہ عرصہ دراز سے جاری وساری ہے۔ ایسے ہی مختلف لائبریریوں میں کتب تاخیر سے جمع کروانے پر بھی جرمانہ ہوتا ہے۔ بورڈ یا یونیورسٹی کے داخلہ جات میں تاخیر پر اصل داخلے پر لیٹ فیس، ڈبل فیس اور ٹرپل کا تصور موجود ہے۔ اس لیے بینکوں میں قرض کی رقم تاخیر سے جمع کروانے پر جرمانے کے لفظ سے خائف نہیں ہونا چاہئے۔ اور یہ نظم وضبط اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ لوگ بلاوجہ رقوم کی ادائیگی میں تاخیر نہ کریں اور دیگر لوگ اس سے متأثر نہ ہوں مگر اس بات کا اہتمام ضروری ہے کہ جرمانے کی شرح مقرر نہ ہو بلکہ اس کا تعیّن کلائنٹ کی مالی صورتِ حال کو دیکھ کر کیا جائے۔ جرمانے کو مقرر کرنے سے اس عمل کی سود کے ساتھ مشابہت ہو جاتی ہے لہٰذا اس سے گریز ضروری ہے۔ اگر کلائنٹ واقعتاً مجبور ہے تو پھر اس کو بغیر

جرمانے کے مزید موقع دیا جائے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

''وَاِنْ کَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰی مَیْسَرَةٍ''(۵۰)

ترجمہ: (پس اگر وہ تنگ دست ہوتو اسے خوشحالی تک مہلت دی جائے)

لیکن اگر کوئی ادائیگی کی استطاعت کے باوجود رقم ادا نہیں کرتا تو فقہاء کی رائے یہ بھی ہے کہ جرمانے کے ساتھ ساتھ اگر ضرورت محسوس ہوتو وعدہ کی تکمیل بذریعہ عدالت بھی کروائی جاسکتی ہے۔(۵۱)

لیکن بہتر یہی ہے کہ مفلس اور قلاش کو معاف کر دیا جائے اور اگر ایسا نہیں کیا جا سکتا تو فوری طور پر ادائیگی کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں اسے مہلت دے دی جائے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کان تاجر یداین الناس فاذا رأی معسراً قال لفتیانه تجاوزوا عنه لعل اللّٰه أن یتجاوز عنا فتجاوز اللّٰه عنه''(۵۲)

ترجمہ: (ایک تاجر لوگوں کے ساتھ ادھار کا معاملہ کرتا تھا اور اگر کسی کو تنگ دست دیکھتا تو اپنے لڑکوں سے کہتا اس سے درگزر کرو شاید اللہ بھی ہم سے درگزر فرمائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرمادیا)

تو معاف کرنا یقیناً قرض خواہ کے لیے بھی بہتر ہے اور مقروض کے لیے بھی۔

۱۰۔ بینک سے جاری ہونے والے کارڈز

موجودہ نظامِ بینکاری میں مختلف کارڈز کا اجراء ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض اہم کارڈز کا ذکر حسبِ ذیل ہے:

i۔ کریڈٹ کارڈ (Credit Card)

بینک اپنے کلائنٹس کو کریڈٹ کارڈ کی سہولت فراہم کرتے ہیں اور کلائنٹس ایک مدت تک بغیر سود کے اس قرض کی رقم کو استعمال کر سکتے ہیں لیکن اگر مقررہ مدت کے بعد اس کو اپنے پاس رکھا تو تاخیر کے حساب سے اس پر جرمانے کی ادائیگی لازم ہوگی۔ کیمبرج ایڈوانس لرنرز ڈکشنری میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"A small plastic card which can be used as a method of payment, the money being taken from You at a later time."(53)

ترجمہ: (پلاسٹک کا ایسا چھوٹا سا کارڈ جو رقم کی ادائیگی کا ذریعہ ہے اور اس کے ذریعے حاصل کردہ رقم بعد میں آپ سے واپس لے لی جاتی ہے)

کریڈٹ کارڈ کی جو پہلی شرط ہے وہ قرضِ حسنہ کی طرح ہے کہ جس کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے جبکہ مدتِ مقررہ کے گزرنے پر اس قرض پر مخصوص شرح سے اضافے کا جمع کروانا یقینی طور سود کے

زمرے میں آتا ہے جو کہ شرعاً حرام ہے۔لیکن اس کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنے کے لیے ضروری ہے کہ کریڈٹ کارڈ سسٹم کو صرف قرضِ حسنہ تک محدود رکھا جائے اور اس کی واپسی کو بروقت یقینی بنانے کے لیے جرمانہ یا لازمی صدقہ کا مذکورہ سابقہ طریقہ کار رائج کیا جائے تا کہ اس میں نہ بینک کا نقصان نا ہو اور نہ ہی سود کا معاملہ ہو۔

ii۔اے ٹی ایم کارڈ

یہ کارڈ بینک اپنے کھاتے داروں کو اس غرض سے جاری کرتا ہے کہ اس کے ذریعے وہ اپنے شہر یا ملک یا کسی دوسری جگہ کہیں بھی موجود اے ٹی ایم نظام سے اپنی ضرورت کے مطابق رقم بصورتِ نقد حاصل کر سکیں۔اس کارڈ کے ذریعہ آدمی اپنی جمع کردہ رقم سے استفادہ کرتا ہے۔

iii۔ڈیبٹ کارڈ

اس سے مراد وہ کارڈ ہے جو بینک اپنے اکاؤنٹ ہولڈر کو اس کی اکاؤنٹ میں جمع شدہ رقم کے برابر جاری کرتا ہے۔بینک اپنے کھاتے داروں کو یہ کارڈ اس غرض سے جاری کرتا ہے کہ وہ اس کے ذریعے جب اور جہاں سے چاہیں خریداری کر لیں اور بینک دکاندار کو یہ رقم اپنے اس کھاتہ دار کے اکاؤنٹ سے منتقل کر دے گا۔چیمبرز ڈکشنری میں اس کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

> "A small plastic card which can be used as a method of payment, the money being taken from yourbank account automatically."(54)
>
> ترجمہ:(پلاسٹک کا ایسا چھوٹا سا کارڈ جو رقم کی ادائیگی کا ذریعہ ہے اور اس کے ذریعے حاصل کردہ رقم آپ کے بینک اکاؤنٹ خود بخود منہا کر لی جاتی ہے)

iv۔چارج کارڈ

اس سے مراد وہ کارڈ ہے جس کے ذریعے اس کا حامل مختلف اشیاء کی خریداری کر سکتا ہے سروسز سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور نقد رقم بھی نکلوا سکتا ہے۔اس کا ہولڈر ہر مہینے کے آخر میں اپنے اوپر عائد ہونے والی رقم ادا کرتا ہے جس وقت بینک اس کو اکاؤنٹ کی تفصیل پیش کرتا ہے۔اکاؤنٹ لسٹ بھیجنے کے وقت اکاؤنٹ ہولڈر کا بیلنس موجود ہونا چاہئے،کارڈ کے استعمال کے وقت رقم کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔اب جب اس کارڈ کی شرعی حیثیت پر غور کیا جاتا ہے تو فقہ کا ایک واضح اصول سامنے آتا ہے کہ:

''للوسائل حکم المقاصد''(۵۵)

ترجمہ:(وسائل کا حکم مقاصد کے مطابق ہے)

چنانچہ کریڈٹ اور دیگر تمام کارڈز میں بھی اسی قاعدے کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے گا اور یہ حکم لگایا جائے گا کہ اگر عام طور پر یہ کارڈ لیتے اور دیتے وقت سود لینا اور دینا مقصود ٹھہرے تو اس کو حرام قرار دیا

جائے گا اور اگر عام طور پر ان کارڈز کو سہولت کے لیے ہی استعمال کیا جائے اور سودی معاملات اس میں ملوث نہ ہوں تو یہ کارڈز جائز قرار پائیں گے اور اگر کوئی ان کو سودی معاملہ کے لیے استعمال کرتا ہے تو صرف اسی کی گرفت ہوگی اور مجموعی طور پر یہ سسٹم ناجائز قرار نہیں پائے گا۔

حوالہ جات

۱۔ شوقی ضیف، المعجم الوسیط، مکتبۃ الشروق الدولیۃ، مصر، الطبعۃ الرابعۃ، ۱۴۲۵ھ-۲۰۰۴م، ۱/۵۱۳

۲۔ ہمشری، مصطفیٰ عبداللہ، الأعمال المصرفیۃ فی الإسلام، مجمع البحوث الاسلامیۃ، الأزہر، مصر، ۱۹۸۵م، ص ۲۸

3. Sally Wehmeier,Chief Editor,Oxford Advanced Learner's Dictionary, Oxford University Press,7th Edition, P-107

۴۔ تقی عثمانی، محمد، اسلام اور جدید معیشت وتجارت، مکتبہ معارف القرآن کراچی، طبع ۲۰۰۶ء، ص ۱۱۵

۵۔ قلعہ جی، محمد رواس، المعاملات المالیۃ المعاصرۃ فی ضوء الفقہ والشریعۃ، دارالنفائس، بیروت، لبنان، طبعہ اولیٰ، ۱۴۲۰ھ-۱۹۹۹ء، ص ۴۱

6. Sheldon,H.P.The Practice and Law of Banking, London, 1962, P:183

7. Banking Companies Ordinance, 1962, section.5(c)

۸۔ تقی عثمانی، اسلام اور جدید معیشت وتجارت، ص ۱۱۵

۹۔ قلعہ جی، محمد رواس، المعاملات المالیۃ المعاصرۃ، دارالنفائس للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، الطبعۃ الأولیٰ، ۱۴۲۰ھ-۱۹۹۹م، ص ۴۱۷

۱۰۔ شیخ، ارشاد احمد، بلاسود بنکاری، مکتبہ تحریکِ مساوات، کراچی، ص ۱۹

۱۱۔ جاسم، محمد علی رضا، القواعد الأساسیۃ فی الإقتصاد التطبیقی، بغداد، ۱۹۶۹ء، ص ۲۵۱

۱۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، کتاب الجہاد، باب برکۃ الغازی فی مالہ حیاً ومیتاً، حدیث نمبر ۳۱۲۹، ۱/۵۵۲

۱۳۔ ڈھلوں، عرفان خالد، علم اصول فقہ۔ایک تعارف، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، طبع اول، ۲۰۰۶ء، ۳/۱۸۲

۱۴۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب تفسیر المشبہات، حدیث نمبر ۲۰۵۱، ۱/۳۶۸؛ نسائی، السنن، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، کتاب الاشربۃ، باب الحث علی ترک الشبہات، ۲/۳۳۱

۱۵۔ شریف جرجانی، علی بن محمد، التعریفات، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ص ۸۰

۱۶۔ جصاص، ابوبکر احمد بن علی رازی، احکام القرآن، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۰۵ھ، ۱/۴۶۵

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ رازی، فخر الدین، ابوعبداللہ محمد بن عمر، مفاتیح الغیب، مکتب الأعلام الاسلامی، ایران، ۱۴۱۳ھ، ۷

۱۹۔ ابن منظور، لسان العرب، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، طبعہ اولی، ۱۹۸۸ء، ۱/۷۷

۲۰۔ ابن نجیم، زین العابدین بن ابراہیم بن نجیم، الأشباہ والنظائر، ایچ۔ایم۔سعید کمپنی، کراچی، ۷/۲۹۷

۲۱۔ دردیر، ابوالبرکات احمد بن محمد بن احمد، الشرح الصغیر، دارالمعارف، مصر، ۱۳۹۳ھ، ۴/۶؛ رملی، محمد بن ابوالعباس احمد بن حمزۃ، نہایۃ المحتاج، المکتبۃ الاسلامیۃ، ۵/۲۰۸؛ ابن قدامۃ، عبداللہ، الکافی فی فقہ الامام احمد بن حنبل، المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان، الطبعۃ الخامسۃ، ۱۴۰۸ھ۔۱۹۸۸م، ۲/۳۰۰

۲۲۔ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ (القصص (۲۸) ۲۷۔۲۶) ان دونوں میں سے ایک لڑکی نے کہا: اے ابا جان آپ ان کو اجرت پہ رکھ لیجئے بے شک آپ جس کو اجرت پر رکھیں گے ان میں سے بہتر وہ ہے جو قوی اور امانت دار ہو؛ ''لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا'' (الکھف (۱۸) ۷۷) اگر تو چاہتا تو اس پر اجرت لے لیتا"

۲۳۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ: ''**استأ جر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وابوبکر رجلاً من بنی الدیل ھادیا خریتا وھو علی دین کفار قریش فرفعا الیہ راحلتیھما ووعداہ غار ثور بعد ثلاث لیال، فأھما براحلتیھما صبح ثلاث**'' (ہجرت کے واقعہ میں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ نے قبیلہء دیل کے ایک شخص کو جو کہ ایک ماہر رہبر تھا اجرت پر لیا تھا اور وہ شخص کفارِ قریش کے دین پر تھا، ان دونوں حضرات نے اپنی سواریاں اس کے حوالے کر دی تھیں اور تین راتوں کے بعد صبح سویرے ہی سواریوں کے ساتھ غارِ ثور پر ملنے کی تاکید کی تھی'' (بخاری، الجامع الصحیح، باب اذا استأ جر أجیراً لیعمل لہ۔۔الخ، حدیث نمبر ۲۲۶۴، ۱/۳۹۷)؛ حضرت ابوہریرہؓ نبی کریمؐ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''**ثلثۃ أنا خصمھم یوم القیامۃ رجل أعطی بی ثم غدر ورجل باع حراً فأکل ثمنہ ورجل استأجر أجیراً فاستوفی منہ ولم یعط أجرہ**'' قیامت کے دن میں تین آدمیوں کا دشمن بنوں گا۔ ایک وہ شخص جو میرا نام لے کر عہد کرے اور پھر توڑ دے، دوسرا وہ شخص جس نے کسی آزاد آدمی کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھائی اور ایک وہ شخص جس نے کسی مزدور کو اجرت پر لیا اور اس سے کام تو پورا لیا لیکن اس کو اس کی اجرت نہ دی (بخاری، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب اثم من باع حراً، حدیث نمبر ۲۲۲۷، ۱/۳۹۳)؛ حضرت ابوہریرہؓ، سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**اعط الأجیر أجرہ قبل أن یجف عرقہ**'' مزدور کو اس کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کردو (البیہقی، ابوبکر احمد بن حسین بن علی، السنن الکبری (دارالفکر، بیروت، لبنان) کتاب الإجارۃ، باب اثم من منع الأجیر أجرہ، ۶/۱۲۱)

۲۴۔ اسی بات کوعلامہ ابنِ رشد یوں بیان کرتے ہیں: ''ان **الإجارة عند جميع فقهاء الأمصار والصدر الأوّل**'' بے شک تمام علاقوں کے اور صدرِ اوّل کے فقہاء کے نزدیک اجارہ جائز ہے" (ابن رشد، محمد بن احمد، بدایۃ المجتھد (فاران اکیڈمی، لاہور)۱/۱۸۱)؛ امام کاسانی لکھتے ہیں: ابوبکر الأصم سے پہلے پوری امت کا اس بات پر اجماع تھا کہ عقدِ اجارہ صحابہ کرامؓ کے زمانے سے لیکر آج تک بغیر کسی انکار کے چلا آ رہا ہے۔ لہٰذا اس اجماع سے اختلاف کرنے والے کا کوئی اعتبار نہیں۔ (کاسانی، علاؤالدین ابوبکر بن مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (ایچ۔ایم۔سعید کمپنی، کراچی، الطبعۃ الاولی، ۱۳۲۸ھ۔۱۹۱۰م) کتاب الإجارۃ، ۴/۱۷۴)؛ امام شافعیؒ بھی اس حوالے سے یوں رقمطراز ہیں: "اجارہ سنت سے ثابت ہے اور اس پر کئی صحابہ کرامؓ نے عمل کیا ہے اور ہمارے علم کے مطابق ہمارے شہر کے کسی بھی عالم نے اس کے جواز سے اختلاف نہیں کیا" (شافعی، محمد بن ادریس (م:۲۰۴ھ)، الام (دارالوفاء مصر، ۱۴۲۲ھ۔۲۰۰۱م) کتاب الإجارات، ۴/۲۵)؛ امام ابن قدامہ لکھتے ہیں: "الأصل فی جواز الإجارۃ الکتاب والسنۃ والإجماع" ''اجارہ کے جواز کے دلائل قرآن پاک، سنت اور اجماع ہیں'' (ابنِ قدامہ، عبداللہ بن احمد، المغنی (دار عالم الکتب للطباعۃ والنشر والتوزیع، الریاض) کتاب الإجارۃ، ۶/۲)

۲۵۔ حصکفی، علاؤالدین، الدرالمختار مع ردالمحتار (مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ) ۹۳/۲

۲۶۔ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، الجامع (مکتبہ رحمانیہ، لاہور) ابواب البیوع، باب ما جاء فی النھی عن بیعتین فی بیعۃ، ۳۶۴/۱

27. Taqi Amini, Islamic Finance,163

۲۸۔ ابنِ عابدین شامی، محمد امین، ردالمحتار علی الدرالمختار (ایچ ایم سعید کمپنی) ۵۷/۶؛ الخطیب، محمد شربینی، مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج (دارالفکر بیروت، لبنان) ۳۱/۲؛ ابن قدامہ، المغنی، ۱۷۷/۴

۲۹۔ وھبہ زحیلی، المعاملات المالیۃ المعاصرۃ، دارالفکر المعاصر، بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۲۳ھ۔۲۰۰۲م، ص:۳۴۶

۳۰۔ الطبری، ابوجعفر محمد بن جریر، جامع البیان عن تأویل آی القرآن، دارالفکر لطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵م، ۱۰۷/۳

۳۱۔ ایضاً، ۲/۷

۳۲۔ الطبری، ابوجعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۲۲ھ۔۲۰۰۱م، ۲۷۸/۳

۳۳۔ مالک بن انس، امام، موطا، قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ، کراچی، کتاب القراض، باب ما جاء فی القراض، ص ۶۱۷۔۶۱۶، کتاب الأقضیۃ، باب القضاء فی المرفق، ص ۶۴۳

۳۴۔ البقرۃ (۲) ۱۷۳

۳۵۔ البقرۃ(۲)۲۷۵

۳۶۔ البقرۃ(۲)۲۷۵

۳۷۔ طٰہٰ(۲۰)۱۲۳

۳۸۔ التکاثر(۱۰۲)۲۔۱

۳۹۔ ترمذی،السنن،کتاب الذبائح،ابواب صفۃ القیامۃ،باب ماجاء فی شان الحساب والقصاص،۵۱۸/۲

۴۰۔ مسلم،ابن حجاج قشیری(م:۲۶۱ھ)،الجامع الصحیح،قدیمی کتب خانہ،کراچی،طبع دوم،۱۳۷۵ھ۔۱۹۵۶م، کتاب المساقاۃ والمزارعۃ،باب الربا،۲۵/۲

۴۱۔ عثمانی،محمد تقی،بحوث فی قضایا فقہیۃ المعاصرۃ،مکتبۃ دارالعلوم،کراچی،۱۴۲۵ھ،۱۶۵/۱

۴۲۔ جمال،غریب،المصارف وبیوت التمویل الاسلامیۃ،دارالشروق،جدۃ،ص۸۵۔۸۴

۴۳۔ شحاتہ،حسین،المصرف الاسلامیۃ بین الفکر والتطبیق،جامعہ الازہر،مصر،ص۳۱

۴۴۔ البقرۃ(۲)۲۴۵

۴۵۔ البقرۃ(۲)۲۶۱

۴۶۔ ترمذی،الجامع،ابواب البرّ والصلۃ،باب ماجاء فی السرّ علی المسلمین،۱۴/۲

۴۷۔ الحشر(۵۹)۹

۴۸۔ المعاییر الشرعیۃ،معیار رقم۳،ھیئۃ المحاسبۃ والمراجعۃ للمؤسسات المالیۃ،بحرین،ص۳۰،۳۷

۴۹۔ صمدانی،ڈاکٹر اعجاز احمد،اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ،ادارہ اسلامیات،لاہور ۱۴۲۸ھ۔۲۰۰۷م، ص۱۳۴

۵۰۔ البقرۃ(۲)۲۸۰

۵۱۔ ابن عابدین،ردالمحتار،۱۳۵/۴

۵۲۔ بخاری،الجامع الصحیح،کتاب البیوع،باب من أنظر معسراً،حدیث نمبر۲۰۷۸،۳۷۲/۱

53. Cambridge Advanced Learners' Dictionary, www.dictionary.cambridge.org/results

54. Ibid

۵۵۔ ملا علی قاری،علی بن سلطان،مرقاۃ المفاتیح،مکتبہ امدادیہ،ملتان،۱۲۹/۴